مولانا ہاشمیؒ کا طرزِ تحریر

جناب مولانا محمدؒ رفیق چودھری

مولانا سیّد محمد متین ہاشمی مرحوم و مغفور کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ ایک جیّد عالم دین، فقیہ، محقق، معلّم، خطیب، مصنّف، مترجم، صحافی، صُوفی اور داعی و مبلّغ تھے۔ انہیں بیک وقت کئی زبانوں مثلاً اُردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا۔ اُن کی اسی جامع شخصیت نے اُن کے طرزِ تحریر میں بھی جامعیت اور ہمہ گیریت پیدا کر دی تھی۔ وہ ہر قسم کے موضوعات پر بے تکلّف لکھتے اور خوب لکھتے تھے۔ ان کی تصانیف میں تنوع اور بوقلمونی ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، تصوّف، سیاست، معیشت، قانون اور تعلیم غرض ہر طرح کے دینی موضوع پر انہوں نے خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کی تصنیفات کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ فسانۂ اسلام

۲۔ اسلام کا قانونِ شہادت

۳۔ آخری سورتوں کی تفسیر (سورۃ الضحیٰ تا الناس)

۴۔ اسلامی حدود

۵۔ اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ مع اسلام کا نظامِ احتساب۔

۶۔ اسلامی نظامِ عدل کا نفاذ: مشکلات اور اُن کا حل۔

۷۔ دو قومی نظریہ

۸ ۔ نظامِ عُشر کی برکات
۹ ۔ تحریک جامعہ محمدی
۱۰ ۔ سیّد ہجویریؒ
۱۱ ۔ مغربی جمہوریت اور اسلامی نظامِ حکومت
۱۲ ۔ سطعات (از شاہ ولی اللہ) کا ترجمہ و تشریح
۱۳ ۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفےٰ (از قاضی عیاضؒ) ترجمہ و حاشیہ
۱۴ ۔ سننِ ابی داؤد (ترجمہ و حاشیہ) چار جلدوں میں
۱۵ ۔ فہرست مخطوطات دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری ۔ پانچ جلدوں میں
۱۶ ۔ روشنی (ریڈیائی تقاریر کا مجموعہ) دو جلدوں میں
۱۷ ۔ تفسیر سورۂ یٰسین شریف
۱۸ ۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ (ترجمہ و حاشیہ) زیرِ طبع

اس کے علاوہ انہوں نے سہ ماہی مجلہ 'منہاج' کے لیے اداریے لکھے بعض دوسرے مصنفین کی کتابوں پر دیباچے اور مقدمے تحریر کیے ۔ ٹی وی کے لیے تقاریر لکھیں اور خطوط نویسی کا کام بھی کیا ۔

مولانا ہاشمیؒ کے طرزِ تحریر کی بہت سی خصوصیات ہیں ۔ وہ ہر طرح کے موضوعات کی مناسبت سے اسلوب اختیار کر لیتے تھے ۔ انہیں زبان پر پوری قدرت حاصل تھی ۔ انکی تحریر میں تقریر کا پہلو نمایاں تھا ۔ اُن کی نگارش میں ادبیت ، علمی شان ، متانت اور قوت استدلال پائی جاتی ہے ۔ وہ اپنی تحریر میں جا بجا قرآنی آیات ، احادیثِ نبویہ اور اشعار لاتے ہیں ۔ اُن کے قلم میں سوز و گداز ، جذبات کا بہاؤ اور تاثیر ہے ۔ اُن کی عبارت میں تصنّع ، تکلّف ، آورد ، ابتذال اور سُوقیانہ پن نہیں ہے ۔ اُن کے خیالات میں رجائیت اور انقلابی پیغام ہے کسی طرح کی قنوطیت اور مایوسی نہیں ہے ۔

۱ ۔ قدرتِ زبان و بیان

اللہ تعالیٰ نے مولانا ہاشمی کو زبان و بیان پر پوری قدرت عطا کی تھی ۔ وہ اپنے افکار و نظریات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالنے

پر پوری دسترس رکھتے تھے ۔ مثال کے طور پر اپنی کتاب "آخری سورتوں کی تفسیر" میں سورۂ کوثر کی آخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ آپؐ کو نسل بریدہ کہہ رہے ہیں حالانکہ ان کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو خود گمنام ونیست ونابود کر دے گا۔ ان کی ہلاکت کے بعد دنیا میں ایک شخص بھی ان کا نام بھلائی سے یاد کرنے والا نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف آپؐ کی نسل مبارک ساری زمین میں پھیل جائے گی ۔ دنیا کے گوشہ گوشہ میں آپؐ کے نام لینے والے، کلمہ پڑھنے والے اور غلامی کا دم بھرنے والے ہوں گے ۔ زمین آسمان ہر جگہ آپؐ کا ذکر خیر ہوگا ۔ پانچوں وقت مؤذن آپؐ کا نام پکاریں گے ۔ آپؐ پر درود و سلام پڑھا جاتا رہے گا ۔ کروڑوں عاشق آپؐ کے نام پر جان قربان کرنے کو تیار رہیں گے ۔ دُور دراز سے لوگ آپؐ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے آئیں گے اور نقد دل کا نذرانہ پیش کریں گے ۔ کوئی محفل نہ ہوگی جہاں آپؐ کا نام روشن نہ ہوگا ۔ کوئی دعا نہ ہوگی جس میں آپؐ کا تذکرہ نہ ہوگا ۔ غرض کہ فرش سے عرش تک آپؐ ہی کی عظمت کا ڈنکا بجے گا ۔ اس لیے آپؐ ان جاہلوں کے طعنوں سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں، بہت جلد حق ظاہر ہوگا اور باطل کا چراغ بُجھ جائے گا۔"[1]

ایک جگہ اسلامی معاشرے میں محتسب کے فرائض کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"شراب کے مٹکوں کو توڑ دینا، مزامیر کو توڑنا ، شارع عام نالوں اور نالیوں کی صفائی کی نگرانی، خوردہ فروشوں کو مجبور کرنا کہ وہ شارع عام پر نہ بیٹھیں، آوارہ مویشیوں کو عام طور سے سڑکوں پر پھرنے سے روکنا ، شہریوں کو ہدایت کرنا کہ وہ اپنے مویشیوں کو باندھ کر رکھیں ، عام راستوں پر عمارت کی تعمیر یا تجاوزات کو روکنا، ہمسایہ کے گھر میں جھانکنے سے منع کرنا، ہمسایہ کے راستے یا روشنی کو بند کرنے

---

[1] آخری سورتوں کی تفسیر ص ۱۷۳

سے روکنا، تول کے باٹوں کی پڑتال، ترازوؤں کی پڑتال، ہوٹلوں یا قہوہ خانوں کی صفائی کی نگرانی، عورتوں کو مردانہ وضع اور مردوں کو زنانہ وضع اختیار کرنے سے روکنا۔ برسرِ عام گانے بجانے یا نوحہ کرنے سے روکنا، عیدگاہ میں اگر کوئی شخص سازلے جائے تو ان سازوں کو جلا دینا، کبوتر بازی، چوسر، شطرنج بازی سے منع کرنا، عورتوں کو بے حیائی اور نامحرموں کے ساتھ اختلاط سے باز رکھنا اور ان کے والدین اور شوہر کو تنبیہ کرنا، مُردہ نہلانے والوں کو تاکید کرنا کہ وہ شریعت کے احکام کے مطابق مُردوں کو غسل دیا کریں۔ گورکنی یا میّت کو قبرستان تک لے جانے کی بھاری اُجرت وصول کرنے سے روکنا، مساجد اور عیدگاہوں کی دیکھ بھال اور خصوصیت کے ساتھ یہ دیکھنا کہ جمعہ یا عیدین کے موقع پر لوگ مساجد کو تجارت کی جگہ نہ بنالیں، یا لوگ مسجدوں میں بھیک مانگنا نہ شروع کر دیں، لوگوں کو گداؤں کے بھلانے اور مسجدوں میں قصّہ گوئی کرنے سے روکنا، پاگلوں کو مسجدوں میں داخل ہونے سے روکنا، موذی جانوروں اور پاگل کتوں کو شہر کے گلی کوچوں میں نہ پھرنے دینا، کم تولنے والوں کو سزا دینا، ملاوٹ کرنے والوں کو سزا دینا، تہمت کی جگہ کھڑے ہونے سے منع کرنا، مثلاً برسرِ عام اجنبی مردوں کا اجنبی عورتوں سے گفتگو کرنا، بت سازی سے روکنا، ساز بنانے سے منع کرنا، شراب نوشی سے روکنا، ہوٹل اور تنور کے مالکوں کو رمضان کے مہینے میں دن کی ابتدائی ساعتوں میں کھانے پکانے سے منع کرنا، عوام کو مجبور کرنا کہ وہ رمضان المبارک کے تقدّس کو برقرار رکھیں اور اگر وہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزہ دار نہ ہوں تو بھی رمضان المبارک کا احترام کریں اور برسرِ عام کھانے پینے سے احتراز کریں۔[۱]

اس طرح گویا ہر طرح کے خیالات و تصورات کو الفاظ کا جامہ پہنانے پر آپ کو قدرت حاصل تھی

ڈاکٹر نور محمد غفاری کی ایک کتاب کے دیباچے میں مسلمان حکمران کی ذمہ داریوں کا

---

[۱] اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ ص ۱۰۵

ذکر کرتے ہوئے مولانا ہاشمی لکھتے ہیں کہ :

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ خصوصیات اسی حکمران میں ہوں گی جو ہمہ وقت رفاہِ عامہ اور معاشی فلاح سے تعلق رکھنے والے امور کی طرف متوجہ رہے۔ مثلاً نہروں کی تعمیر، سیم اور تھور کا استیصال، بندوں کی تعمیر، افتادہ زمینوں کو قابلِ کاشت بنانا، اہلِ حرفہ اور محنت کش طبقے کی خوشحالی کا خیال، سرکاری ملازمین کی پُر اطمینان زندگی کا انصرام، کم سے کم ٹیکس اور زیادہ سے زیادہ کاروبار میں آسانیاں پیدا کرنا، ملک کے دفاع کو مضبوط بنانا، تعلیمی اور تربیتی نظام قائم کرنا، صحت عامہ کی نگہداشت، اخلاقی قدروں کو فروغ دینا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا، فوری عدل و انصاف کی فراہمی، یہ اور اس طرح کی ہزاروں ذمہ داریاں ہیں جو ایک مسلمان حکمران پر عائد ہوتی ہیں۔"[۱]

۲ ۔ قوتِ استدلال

مولانا ہاشمیؒ کی تحریر میں زبردست قوتِ استدلال ہوتی ہے۔ وہ اسلام کے حقائق اور اس کی تعلیمات کو مدلّل طریقے سے پیش کرتے ہیں اور مخالفین کے اعتراضات کی عقلی طور پر تردید کرتے ہیں۔ "اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ" نامی کتاب میں اسلامی حدود و تعزیرات کی نسبت مغرب زدہ قانونی حلقے کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں اور دیکھئے کتنی قوتِ استدلال سے تحریر فرماتے ہیں:

"بعض مغرب زدہ افراد اسلام کی مقرر کردہ رجم یا قطع ید کی سزا کو ظالمانہ تصوّر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اسلام ہمیں دورِ وحشت و بربریت کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ دراصل شرع اور قانون کے فرق کو نہیں سمجھتے، اور نہ یہ جانتے ہیں کہ انفرادی اخلاق کی بہتری کا شرع میں کیا درجہ ہے اور قانون میں اس کی کیا حیثیت ہے۔"

بات دراصل یہ ہے کہ شریعت اور قانون دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ جرائم کی روک

---

[۱] اسلام کا قانون محاصل، دیباچہ ص ۱۰

تھام کرنی چاہیئے تاکہ سوسائٹی کے نظام میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اسی لیے شریعت اور قانون دونوں نے جرائم کے لیے سزائیں مقرر کی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ شریعت کی بنیاد "اخلاق فاضلہ" پر ہے۔ اس لیے شریعت چاہتی ہے کہ اخلاقی اقدار کا پورا پورا تحفظ کیا جائے۔ لہٰذا اس نے ہر غیر اخلاقی یا مخرب اخلاق فعل پر سخت سے سخت سزائیں رکھی ہیں اس کے برخلاف قانون وضعی کو انفرادی اخلاق سے کوئی سروکار نہیں۔ البتہ اگر کسی غیر اخلاقی فعل سے کسی دوسرے فرد یا جماعت کے نظام یا امنِ عامہ کو نقصان پہنچنے کا امکان ہو پھر قانون حرکت میں آتا ہے مثلاً زنا ہی کو لیجیے۔ از روئے قانون اگر عورت اور مرد دونوں اپنی رضامندی سے زنا کا ارتکاب کریں تو وضعی قانون ان سے کوئی تعرّض نہیں کرتا کیونکہ یہ افراد کا ذاتی اخلاقی معاملہ ہے لیکن اگر زنا بالجبر ہو تو چونکہ یہ فعل ایک دوسرے فرد کے حق میں اس کی مرضی کے خلاف مداخلت ہے اس لیے وضعی قانون اس میں دست اندازی کرے گا۔ لیکن چونکہ شریعت زنا کو ایک غیر اخلاقی عمل سمجھتی ہے اس لیے ہر حال اور ہر صورت میں یعنی خواہ جانبین کی رضامندی سے ہو یا بالجبر، شریعت اسے مستوجب سزا قرار دے گی۔ شریعت کا یہ اصول ہے کہ افراد کے اخلاق خراب ہوں گے تو جماعت بھی خراب ہو جائے گی۔

یہی حال شراب خوری کا ہے۔ شراب شریعت میں مطلقاً حرام ہے قلیل ہو یا کثیر، مُسکر ہو یا غیر مُسکر، اس لیے شراب خوری پر شریعت حد جاری کرے گی۔ لیکن وضعی قانون میں مطلق شراب خوری جُرم نہیں ہے البتہ اگر شارع عام پر شراب پی کر لپاڈگی کی جائے یا سخت نشے کے عالم میں موٹر چلائی جائے جس سے امنِ عامہ میں خلل پڑنے یا کسی جانی و مالی نقصان کا اندیشہ ہو تو شراب خوری بھی مستوجب سزا ہوگی۔"[1]

ایک اور مقام پر اسی مغرب زدہ قانونی طبقے کو مخاطب کر کے اسلامی قانون کی ضرورت پر مدلل انداز سے تحریر کیا کہ:

"فی الحال وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ قوانین اسلامی کو اسلامی

---

[1] اسلامی حدود اور اُن کا فلسفہ ص ۲۹-۳۰

سانچے میں ڈھالا جائے، کیونکہ عدلیہ اسلامی نظام حیات کا اہم ترین شعبہ ہے، اس کے بغیر وہ معاشرہ وجود میں لایا ہی نہیں جاسکتا جو اسلام کا مقصود ہے، قوانین وضوابط اسی لیے وضع کیے گئے کہ معاشرے کے اعمال و افعال کو مخصوص خطوط پر استوار کیا جاسکے۔ لہذا یہ امر لازمی ہے کہ کسی ملک کا قانون اس ملک کے اساسی نظریات و معتقدات کا عکاس ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو ملک کے باشندے بنیادی نظریات سے ناواقف اور اکثر اوقات ان کی زندگی ان سے متصادم ہو جاتی ہے۔ یہ صورت حال کسی بھی ملک کے لیے انتہائی مہلک اور تباہ کن ہوتی ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے ملک کی بنیاد اسلام ہے اور ملک میں کم و بیش برطانوی قوانین نافذ ہیں۔ ظاہر ہے کہ برطانوی نظام حیات کی اساسیات دوسری ہیں اور اسلامی نظام حیات کی دوسری۔ بہت سے ایسے جرائم ہیں جو برطانوی قانون کے ماتحت جرم ہی نہیں شمار کیے جاتے اور انہیں قانونی تحفظ بھی حاصل ہے مثلاً ہم جنسی، کلب میں جوا، شراب نوشی، زنا بالرضا جبکہ اسلامی قوانین کے تحت ان کی سزا کوڑے اور بعض حالتوں میں موت ہے۔ اسی طرح چوری کی سزا اسلامی قانون میں قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہے مگر برطانوی نظام میں اس کی سزا چند دن اور چند ماہ کی قید ہے لہذا اسے قومی و اجتماعی خودکشی کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا کہ پاکستان جیسی ایک اسلامی مملکت میں وہ قوانین جاری کیے جائیں جو برطانوی عوام کی خواہشوں اور امنگوں کے آئینہ دار ہیں۔ اگر برطانیہ کے عوام سے کہا جائے کہ تم عیسائی رہتے ہوئے اسلامی قوانین کو اپنے ملک میں رائج کرنا منظور کر لو تو وہ اس کے لیے تیار ہو جائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ پھر یہ کتنی بڑی بے حمیتی کی بات ہے کہ ہم مسلمان ہوتے ہوئے (جبکہ قرآن کریم جیسی عظیم و لافانی کتاب اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ جیسا پاک، بے عیب اور جامع اسوہ ہمارے پاس موجود ہے) ہم دوسروں کی دریوزہ گری کرتے پھر رہے ہیں اور ہم نے مغرب کے نظام قانون کو اپنے ملک میں رائج کر کے

اپنے ملک کے عوام کو مشکلات میں گرفتار کر رکھا ہے ۔ اس سے جو مفاسد پیدا ہو رہے ہیں اور ہمارا نظامِ اخلاق جس طرح روز بہ روز تباہ ہوتا جا رہا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے ۔ اس لیے وقت کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے دین و آئین ، اپنی معاشرت و اخلاق اور اپنی روایات و نظامِ حیات پر فخر کرنا سیکھیں اور اپنی قومی زندگی سے دوعملی کو یکسر خارج کر دیں ۔[1]

آج کی مسلمان عورت کو صحیح معنوں میں مسلمان خاتون بننے اور زندگی کی کارگاہ میں مردوں سے الگ دائرۂ کار کو واضح کرتے ہوئے مجلّہ ' منہاج ' کی ایک اشاعت کے اداریے میں پوری قوتِ استدلال سے لکھا کہ :

" اسلام نے دنیا میں پہلی بار عورت کو وہ وقار ، عزت ، شرافت اور مرتبہ عطا کیا ہے کہ آج کی ترقی یافتہ اور مساواتِ مرد و زن کی دعویدار دنیا اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتی ۔ غور سے اگر دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ تہذیبِ جدید نے عورت کا بالکلیہ استحصال کیا ہے ۔ اسی تہذیب کے ظالم علم برداروں نے عورت کو گھر کے گوشۂ عافیت سے نکال کر دفاتر ، فیکٹریوں ، کلبوں ، تھیٹروں اور سڑکوں پر در بدر ہونے کے لیے چھوڑ دیا ، اور اس پر دوہری ذمہ داریاں ڈال دیں یعنی وہ معاش بھی حاصل کرے اور پھر امورِ خانہ داری بھی انجام دے ۔ اور نہایت چالاکی سے عورت کو یہ سمجھایا کہ ہم تمہیں دورِ ظلمہ کی تاریکی سے نکال کر آزادی و حریت کی جنت میں لے آئے ہیں ۔ انہوں نے اس کا نام روشن خیالی اور ترقی رکھا ہے ۔ وہ عورت جسے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے " نازک آبگینوں " سے تشبیہ دی تھی اور آپ نے یہ تک پسند نہ فرمایا تھا کہ جن سواریوں پر وہ سوار ہوں انہیں تیز دوڑا کر عورتوں کو تکلیف پہنچائی جائے ، آج زینتِ بازار ہے ۔

---

[1] اسلام کا قانونِ شہادت ، دیباچہ ص ۲۶ تا ۲۸ ۔

دو پیسے کی چیز بھی فروخت کرنی ہو تو لازماً اس پر ایک عورت کی تصویر چسپاں کی جاتی ہے۔ غرضیکہ عورت کیا ہوئی نمود و نمائش کی چیز اور مردوں کے سفلی جذبات کو تسکین بخشنے والی شئے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس فریب کا پردہ چاک کیا جائے اور نام نہاد آزادی کا اصلی روپ عورتوں کو دکھایا جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم عورتوں کو تعلیم و ترقی سے روکنا چاہتے ہیں۔ یا ہم یہ چاہتے ہیں کہ ملک کی تعمیر اور قومی نشو و نما میں عورتیں کوئی کردار ادا نہ کریں۔ کیونکہ ایسا کرنا اسلام کے منشا کے سراسر خلاف ہے۔ البتہ ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے دائرہ کار کا تعین کیا جائے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں حدود متعین و قائم کی جائیں تاکہ ہمارا مشرقی عائلی نظام جس کی اساس پیغمبر انسانیت علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے اپنے دستِ مبارک سے قائم فرمائی تھی، اور جس کی عملاً خلاف ورزی کر کے آج مغرب گرفتارِ بلا ہے شکست و ریخت کا شکار نہ ہو۔[۱]

۲۔ خطیبانہ اندازِ بیان مولانا ہاشمی کی تحریروں میں تقریر و تخاطب کا انداز پایا جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اُن کی تحریر ایک لکھی ہوئی تقریر معلوم ہوتی ہے۔ اس اسلوب کی وجہ سے اُن کی عبارت جاندار، پرجوش اور پُر تاثیر ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک جگہ اسلامی قانون میں عاقلہ کے تصوّر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اسلام معاشرے میں امن چاہتا ہے اور وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ معاشرے کا کوئی فرد کسی دوسرے فرد کی آزادی، اس کی عزّت و حرمت، اس کی جان یا اس کے مال میں کسی قسم کی تعدی کا ارتکاب کرے۔ کیونکہ یہی وہ عمل ہے جس سے معاشرہ گندہ ہوتا اور اس کا معیار پست ہوتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ تمدّن کی ترقی اُونچی اُونچی عمارتوں، زرق برق کپڑوں، جاگتی راتوں، عشرت کدوں اور مے خانوں کی جگمگاتی فضاؤں، پختہ سڑکوں، بجلی کے قمقموں، ہوٹلوں،

---

[۱] اداریہ سہ ماہی مجلّہ منہاج اکتوبر ۱۹۸۴ء حیثیتِ نسواں نمبر جلد دوم ص ۴، ۵۔

اور کاروں کا نام نہیں ہے۔ بلکہ تمدّن کی ترقی نام ہے پُرسکون ماحول، باہمی ہمدردی واخوّت، احساس تحفظ، حقوق العباد کی رعایت، خوف خدا، فکر آخرت، مساوات وعدل، منصفانہ تقسیم دولت و تقسیم وسائل کا۔ کیونکہ اگر یہ باتیں کسی معاشرے میں موجود نہ ہوں تو معاشرہ خوف وحزن اور حسد وعناد میں گرفتار ہو جائے گا۔ ایک طبقہ دوسرے طبقے کا استحصال کرے گا۔ حصول دولت کے لیے ایک قسم کی ریس شروع ہو جائے گی، حرام وحلال کی تمیز اُٹھ جائے گی۔ بلند اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل جائے گا۔ حرص وطمع بڑھ جائے گی۔ ایک فرد دوسرے فرد کو اور ایک طبقہ دوسرے طبقے کو لوٹ کر راتوں رات امیر بننے اور عیش وعشرت کا فانی سامان جمع کرنے کی دھن میں مبتلا ہو جائے گا۔ ایسے وقت میں معاشرے میں نہ بلند خیالات جنم لیتے ہیں نہ اصلاحی اقدامات کامیاب ہوتے ہیں اور انسانی اجتماع درندوں کا بھٹ اور وحوش وبہائم کا مسکن بن جاتا ہے[1]

اسی طرح مولانا ہاشمی کی ریڈیائی تقریروں کے دو مجموعے "روشنی"، جلد اوّل اور "روشنی"، جلد دوم میں بھی ایسا دل نشیں اندازِ تخاطب پایا جاتا ہے کہ جس سے مخاطبین کا ایمان تازہ ہوتا اور ان کا جذبۂ عمل اُبھرتا ہے۔ سیرت نبویؐ کے حوالے سے ایک تقریر میں بیان کرتے ہیں کہ:

"آپؐ کی سیرت صرف سیرت ہی نہیں ایک دار العلوم ہے جس میں انسانی ترقی کی ہر قوت نشوونما پا رہی ہے۔ ایک ایسا چشمۂ صافی ہے جس سے قیامت تک ہر پیاسا اپنی پیاس بجھاتا رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ستارے جھڑ کر گر جائیں۔ چاند تاریک ہو جائے اور سورج اپنی تابانی و درخشندگی سے محروم ہو جائے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا آفتاب کبھی غروب نہ ہوگا کہ یہ آفتاب غروب ہونے کے لیے طلوع ہی نہیں ہوا تھا۔ ازل سے چمک رہا اور ابد تک چمکتا رہے گا۔ ذروں کو آفتاب اور قطروں کو گہر بناتا رہے گا[2]

---

[1] اسلام کا قانون شہادت ص ۳۶۸ - ۳۶۹ -

[2] "روشنی"، جلد اوّل ص ۴۴ -

۴۔ فقہی و قانونی انداز مولانا ہاشمی ہر موقع کی مناسبت سے ایک خاص اسلوب تحریر اختیار کر لیتے ہیں، جو اس حوالے سے بلیغ اور موثر ہوتا ہے۔ انہوں نے فقہ و قانون کے موضوع پر جہاں بھی لکھا وہاں اُس کی تمام تر فنّی نزاکتوں اور قانونی و فقہی اصطلاحات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بڑی متانت اور سنجیدگی سے لکھا ہے۔ ایک جگہ اسلام کے نظامِ عدل میں قانونِ شہادت کی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"کسی بھی نظامِ عدل میں "قانون شہادت" کو وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کو۔ کیونکہ قانون شہادت ہی کی بنیاد پر دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اگر کسی نظامِ عدل کا قانون شہادت کمزور ہو تو انصاف کے تقاضے یا تو سرے سے پورے ہی نہیں ہوتے یا اس قدر پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے کہ حاکم بیچارہ سخت پریشان ہو جاتا ہے۔ نیز مقدمات کے فیصلے میں اتنی تاخیر ہو جاتی ہے کہ عدالتوں کا چکر لگاتے لگاتے اور بھاری اخراجات ادا کرتے کرتے فریقین کا کچومر نکل جاتا ہے۔ اسلام کا نظامِ عدل جس طرح سیدھا سادہ ہے اس کا نظامِ شہادت بھی اسی طرح پیچیدگیوں سے پاک ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر معمولی سی سوجھ بوجھ سے کام لیا جائے تو وہ مقدمات جو سات سات اور آٹھ آٹھ سال تک چلتے رہتے ہیں ان کا فیصلہ دو تین ہفتوں میں ہو سکتا ہے۔ البتہ اس کے لیے فوری طور پر معاشرے کو تیار کرنا ہوگا اور اس تیاری میں تبلیغ، ترغیب اور ترہیب تینوں ذرائع کو استعمال کرنا پڑے گا۔"[1]

اسی طرح مولانا ہاشمیؒ نے اسلامی قانون میں شہادت کی بنیادی شرائط کے عنوان سے چند دفعات خالص قانونی اور فقیہانہ انداز میں لکھی ہیں۔ ملاحظہ کیجیے۔

دفعہ ۱: ان مقدمات میں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے ضروری ہے کہ کوئی مدعی

---

[1] اسلام کا قانونِ شہادت ص ۲۹

عدالت مجاز میں دعویٰ دائر کرے بخلاف دیگر مقدمات حدود و قصاص کے کہ ان میں مدعی کا دعویٰ دائر کرنا ضروری نہیں۔

دفعہ ۲: کوئی شہادت خلافِ محسوس مقبول نہیں ہوتی۔ مثلاً گواہ کسی کی موت کی شہادت دے اور وہ شخص زندہ و سلامت عدالت میں موجود ہو۔ یا کسی مکان کے منہدم ہو جانے کی شہادت دے اور مکان صحیح و سالم موجود ہو۔

دفعہ ۳: کسی امر متواتر کے خلاف شہادت مقبول نہیں ہوتی۔ مثلاً کوئی گواہ یہ شہادت دے کہ کراچی نام کا کوئی شہر پاکستان میں نہیں ہے۔

دفعہ ۴: محض منفی شہادت مقبول نہیں ہوتی۔ مثلاً کوئی کہے کہ فلاں نے یہ جرم نہیں کیا ہے یا فلاں شخص، فلاں شخص کا مقروض نہیں ہے۔

دفعہ ۵: ضروری ہے کہ شہادت دینے کا مقصد جلب منفعت یا دفع مضرت نہ ہو۔ اسی بنا پر اصل کی شہادت فرع کے لیے یا بالعکس۔ یا اجیر کی شہادت مستاجر کے لیے یا بالعکس مقبول نہیں۔ مثلاً اگر باپ بیٹے کے حق میں یا بیٹا باپ کے حق میں شہادت دے یا ملازم آقا کے حق میں یا اس کے برعکس تو مقبول نہیں ہے۔

دفعہ ۶: ایک دوست کی شہادت دوست کے حق میں مقبول ہو سکتی ہے بشرطیکہ دوستی ایسی نہ ہو کہ ایک دوست دوسرے دوست کی مملوکات میں بے جھجک تصرف کرتا ہو۔

دفعہ ۷: ضروری ہے کہ شاہد (گواہ) اور مشہود علیہ (جس کے خلاف گواہی دی جائے) کے درمیان دنیوی عداوت نہ ہو۔

دفعہ ۸: ایک ہی شخص مدعی اور خود ہی گواہ نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر وصی یتیم کا اور موکل وکیل کا گواہ نہیں بن سکتا ہے۔

دفعہ ۹: کوئی شخص اپنے ہی فعل پر گواہی نہیں دے سکتا۔ اسی لیے وکیلوں اور ایجنٹوں کی گواہی بایں طور مقبول نہیں کہ میں نے فلاں چیز فلاں شخص کے ہاتھ وکالۃً اتنی قیمت میں فروخت کی۔

دفعہ ۱۰: ضروری ہے کہ گواہ عادل ہو (عادل کی تعریف آگے آرہی ہے)۔

دفعہ ۱۱: حدود و قصاص کے مقدمات میں اسی شہادت سے جرم ثابت ہو سکتا ہے جو شہادت قاطعہ ہو اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو شہادت رد کر دی جائے گی۔

دفعہ ۱۲: سوائے زنا کے حدود و قصاص کے مقدمات میں ضروری ہے کہ دو عادل گواہ عینی شہادت دیں۔

دفعہ ۱۳: نکاح، طلاق، رجعت، ایلاء، ظہار، نسب، توکیل، وصیت، ولاء وغیرہ کے مقدمات میں بھی دو گواہوں کی شہادت ضروری ہے۔"

۵۔ تحقیقی طرز تحریر

مولانا ہاشمیؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایک محققانہ اور مجتہدانہ دماغ عطا کیا تھا۔ وہ اندھی اور جامد تقلید سے سخت متنفر تھے۔ انہوں نے اسلامی موضوعات پر خاصا تحقیقی کام کیا ہے، اور بہت سے لوگوں کو تحقیقی کام کرنے کا طریق کار (Research Methodology) سکھایا ہے۔ اُن کی تحقیق کا انداز یہ ہے کہ وہ پہلے موضوع کی لغوی و اصطلاحی تشریح کرتے ہیں، پھر قرآن و سنت اور آثار صحابہ کی رُو سے اس موضوع کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔ پھر اس موضوع سے متعلق حکمتِ دین کو واضح کرتے ہیں اور موجودہ حالات پر اس کا اس طرح انطباق فرماتے ہیں کہ عقلِ عام (Common Sense) اُسے برحق تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جاتی ہے اور جدید تعلیم یافتہ ذہن کو اس کا قائل ہوئے بغیر چارۂ کار باقی نہیں رہتا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسا اجتہادی اور دعوتی اسلوب اختیار کرتے ہیں جس کے بعد سوائے کسی ہٹ دھرم اور جامِد مخالف کے کوئی بھی متاثر اور قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

دینی موضوعات کے بارے میں صحیح اندازِ تحقیق یہی ہے اور اسی طریق تحقیق کو مولانا ہاشمیؒ نے اپنے شاگردوں میں بھی پیدا کرنے کی کوشش فرمائی۔ آپ کی تصانیف میں سے اسلام کا قانون شہادت، اسلامی حدود، اسلامی نظامِ عدل، نظامِ عشر کی برکات، مغربی جمہوریت اور اسلامی نظامِ حکومت اور اسلامی حدود اور اُن کا فلسفہ اسی اندازِ تحقیق کی حامل ہیں۔

تحقیق و اجتہاد کی ضرورت کے بارے میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"دینِ اسلام میں یہی خوبی ہے کہ اس کا عطا کردہ نظامِ حیات کسی دور میں کبھی بھی فرسودہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے ہر مرحلے پر اجتہاد کی گنجائش رکھی گئی ہے اور اسلامی تاریخ سے یہ امر ثابت ہے کہ جب بھی ضرورت پیش آئی علمائے مجتہدین نے اس فریضے کو قرآن وسنّت اور اجماعِ امّت کے ضوابط کی روشنی میں ادا کیا۔ اس اقدام سے اسلامی فقہ کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں بھی ان علمائے کرام کو آگے آنا چاہیے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اجتہاد کی اہلیت بخشی ہے اور جدید تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کرنا چاہیے۔"[۱]

اسی طرح مجلہ منہاج کے حیثیت نسواں نمبر حصہ اوّل جولائی ۱۹۸۴ء کی اشاعت کے اداریے میں جدید مسائل کو اجتہاد کے ذریعے حل کرنے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"جب تک ملک میں نفاذِ شریعت کا چرچا نہ تھا ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی طرف توجہ بھی نہ تھی۔ لیکن جب سے موجودہ حکومت نے اس سمت میں پیش رفت شروع کی ہے، نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور بعض حلقوں کی طرف سے پیدا بھی کیے جا رہے ہیں۔ بحمداللہ ملک کے دینی حلقے اس سے پریشان نہیں ہیں کیونکہ جب آج کے ترقی یافتہ دور میں شریعت اسلامیہ بالکلیہ نافذ ہونے جا رہی ہے تو اس طرح کے مسائل کا پیدا ہونا لازمی ہے اور آرا کا اختلاف بھی ہوگا۔ یہ تو بڑی خوش آئند بات ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ ان مسائل اور ان کے حل پر غور کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً بینکنگ کے غیر سودی نظام کا مسئلہ، قانونِ شہادت، قاضی کورٹس، قصاص و دیت، اسلامی نظامِ تعلیم، اصلاحِ معاشرہ، اسلام کے معاشی نظام کا مسئلہ اور اس طرح کے دیگر مسائل، ان سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱؎ اسلام کا قانون شہادت، دیباچہ ص ۲۸، ۲۹

کیونکہ ہمارا کیسۂ فکر خالی ہے نہ بحمد اللہ ہمارا رابطہ سلف صالحین سے منقطع ہو چکا ہے۔ ہمارے ایک ہاتھ میں قرآن کریم ہے جو آنے والی اُمت مسلمہ کی ہدایت و رہبری کا ضامن و متکفل ہے۔ ہمارے دوسرے ہاتھ میں ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سنیہ کا وہ عظیم، جامع وسیع ذخیرہ ہے جس کی نظیر دنیا میں پائی نہیں جاتی۔ ہمارے خزانۂ فکر میں خلفائے راشدین، محدثین کرام، فقہائے اُمت اور حضرات صوفیہ رحمہم اللہ اجمعین کا علمی عملی اور فکری سرمایہ ہے ہم تہی دست ہیں نہ بے مایہ و کم مایہ، اور نہ ہم موجودہ ترقی یافتہ دنیا کی خیرہ کن ترقیوں سے مرعوب ہیں۔ ان سب کے ساتھ اُمت کے راسخون فی العلم علماء کے ہاتھ میں اجتہاد کا ایک ایسا ناخنِ تدبیر ہے جس سے ہر دور کی مشکلات کی عقدہ کشائی کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا ہم اللہ کے فضل و کرم سے ان مشکلات و مسائل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غور و فکر کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔[۱]

۶۔ علمیّت و متانت

مولانا ہاشمی کے طرز تحریر میں ایک عالمانہ شان اور متانت و سنجیدگی ملتی ہے۔ وہ ہر موضوع پر علمی بحث کرتے اور سنجیدگی و متانت سے اُسے بیان کرتے ہیں۔ ایک جگہ اسلامی قانون میں "قیاس" کے بارے میں رقمطراز ہیں:

شریعتِ اسلامیہ میں قیاس ایک بہت بڑی قوت اور امور شریعت کو وسعت بخشنے کا ایک نہایت اہم ذریعہ ہے۔ سلف صالحین کے دور سے لے کر آج کے دور تک فقہاء اس قوت سے فائدہ اُٹھاتے آئے ہیں اور اسی کی بدولت زمانے کے انقلابات و تطورات کے باوجود انہیں کسی دور میں شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتحیات کی تنگ دامانی کا احساس نہ ہوا، اور وہ یہ بات محسوس کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ان کی شریعت کوئی دور از کار اور فرسودہ شریعت نہیں ہے کہ اس کے پاس انسانی مسائل کا حل موجود نہ ہو۔

---

[۱] اداریہ 'منہاج'، حیثیتِ نسواں نمبر حصہ اول جولائی ۱۹۸۴ء ص ۵، ۶۔

بلکہ یہ ایک زندہ و متحرک دین ہے، اس کی فطرت میں جمود نہیں ہے ہر دور میں اپنے زمانے کا ساتھ دیا اور اپنے پیروؤں کے لیے راہِ عمل متعین کی ہے۔ ہم خود اسے جامد و فرسودہ سمجھ کر اسے پس پشت ڈال دیں، اس کی ابدی صداقتوں کا مذاق اڑائیں اور اسے ناقابل عمل تصوّر کریں تو یہ ہماری کم علمی اور نادانی ہے۔ شریعتِ مطہرہ کا اس میں کیا قصور ہے:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ایک جیّد عالمِ دین ہونے کی حیثیت سے مولانا ہاشمی یہ جانتے تھے کہ انسانی زندگی کے موجودہ تمام تر مسائل کا حل اسلام میں موجود ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر نور محمد غفاری صاحب کی کتاب "اسلام کا قانونِ تجارت" کا مقدّمہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اسلام چونکہ ایک دین اور مکمّل نظامِ حیات ہے اس لیے اس نے جہاں ہر شعبۂ حیات کے لیے قوانین وضع کیے ہیں، تجارت کے لیے بھی ضابطے اور قوانین ہیں اور اگر کوئی آدمی تعمق نظر سے قرآن و سنّت اور کتب فقہیہ کا مطالعہ کرے تو اسے اندازہ ہوگا کہ ہمارے علمی سرمایے میں نہ صرف ماضی کے مسائل کا حل موجود ہے بلکہ ہم ماضی کے قوانین کی روشنی میں دورِ جدید کے پیچیدہ ترین تجارتی مسائل کو بھی قرآن و سنت کی روشنی میں حل کر سکتے ہیں۔"[1]

۷۔ داعیانہ و مبلّغانہ اندازِ تحریر

مولانا مرحوم کی تحریروں میں دعوت و تبلیغ کا اُسلوب پایا جاتا ہے۔ وہ دینِ اسلام کے جس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں ایک داعیانہ اور مبلّغانہ جذبے اور تڑپ کے ساتھ قلم اُٹھاتے ہیں، اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اسلام کی اعلیٰ اور پاکیزہ تعلیمات کو سمجھیں اور اُن پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ وہ عوام اور حکومت دونوں کی اصلاح ایک سچّے اور خیر خواہانہ جذبے کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ سرکاری سطح پر ہونے والی نفاذِ شریعت کی ہر کوشش کو انہوں نے

---

[1] اسلام کا قانونِ تجارت' مقدمہ' ص ۹

بنظرِ استحسان دیکھا اور اس کے لیے اپنا مخلصانہ تعاون پیش کیا۔ اسکے لیے انہوں نے مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور کی جانب سے جس کے وہ ڈائریکٹر تھے، اپنی ادارت میں سہ ماہی " منہاج " کا اجرا کیا۔ یہ مجلّہ ایک فقہی علمی اور تحقیقی مجلّہ ہے جس کا آغاز جنوری ۱۹۸۳ء میں ہوا، اور جو اُن کی وفات کے بعد بھی اُن کے لائق شاگردوں کی ادارت میں جاری ہے۔

اس کی پہلی مجلسِ ادارت حسب ذیل تھی :

مدیرِ مسئول	مولانا سیّد محمد متین ہاشمی
نائب مدیر	محمد اصغر نیازی
معاونین	حافظ غلام حسین ، حافظ محمد سعد اللہ

اس مجلّے کی ایک مجلس مشاورت بھی بنائی گئی جو چھ افراد پر مشتمل تھی۔ راقم الحروف بھی اس مجلس میں شامل تھا۔

"منہاج" کی اشاعت کا مقصد فرقہ پرستی کی حوصلہ شکنی اور اتحاد بین المسلمین کا فروغ تھا۔ اس کے پہلے شمارے کے اداریے میں مولانا ہاشمی نے رسالے کی پالیسی کا اعلان اپنے ان الفاظ میں کیا تھا :

" فقہِ اسلامی کے مختلف مکاتب فکر اپنے اپنے طور پر اپنے اصولِ استخراج، طرقِ استنباط، ذخیرہ روایت اور طرزِ درایت سے نو بہ نو مسائل کو حل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ عقائد و اعمال کی اس رنگا رنگی میں ما بہ الاشتراک نکات تلاش کئے جائیں، علوم و خیالات کی اس جلوہ گاہِ کثرت میں روحِ وحدت کو اُجاگر کیا جائے اور ہر معاملے میں راہِ اعتدال کو دریافت کیا جائے۔ امتِ مسلمہ من حیث المجموع آج جس بحران سے دوچار ہے اس کا تقاضا ہے کہ امّت کے مابین نزاع و تصادم کے تمام دواعی و مظاہر سے صرفِ نظر کر کے صرف ان امور پر زور دیا جائے جو جملہ مسالک میں مشترک ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے " الجمع بین المختلفات " کے اصول سے تعبیر کیا ہے۔ " منہاج " بنیادی طور پر اسی جادۂ اعتدال کی نشاندہی کرتا ہے جو ہمیشہ سے علمائے اُمّت کے درمیان متفق علیہ راہِ سلامتی رہا ہے۔ اس رسالے کی پالیسی " تصادم بین المسالک " کی

بجائے قومی، ملی اور دینی جہات میں "تعاون بین المسالک" ہوگی۔ اور اس امر کی کوشش ملحوظ رکھی جائے گی کہ فقہ اسلامی کے سلسلے میں کام کرنے والی ہر جماعت کا متوازن اور معتدل نقطۂ نظر تعمیری انداز میں پیش کیا جائے تاکہ اسلامی قانون سازی کے سلسلے میں ہونے والی پیش رفت میں ایک مربوط، منظم، اور متحدہ عملی معاونت کی تشکیل پیدا ہو۔"[1]

مولانا ہاشمیؒ کی ایک ایمان پرور اور داعیانہ و مبلغانہ عبارت ملاحظہ ہو اپنی کتاب "تفسیر یٰسین شریف" میں لکھتے ہیں کہ:

"ایک زمانہ ایسا تھا جب دنیا میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، اور کسی جگہ روشنی کی کوئی کرن موجود نہ تھی۔ پھر فاران کی چوٹی سے کبھی نہ ڈوبنے والا آفتاب طلوع ہوا، جس نے ساری دنیا کے گوشے گوشے کو منور کر دیا۔ جس کی کرنیں شہنشاہوں کے محلوں میں، غریب کے جھونپڑے میں، سہل میں جبل میں، کوہ و دمن میں ہر جگہ پہنچ گئیں۔ بہتوں نے اس کی کرنوں کو سینوں میں سمیٹ لیا۔ صدیقؓ بن کر اُبھرے، فاروقؓ بن کر ظاہر ہوئے، عثمانؓ کی طرح اُن کا نام روشن ہوا اور علیؓ کی طرح شیرِ خدا کے لقب سے ملقب ہوئے اور چند نے آنکھیں میچ لیں۔ نور کا انکار کیا اور سمجھا کہ ہمارے انکار کر دینے سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آفتاب غروب ہو جائے گا۔ لیکن اُن کا یہ عمل فطرت کے خلاف تھا۔ کیونکہ چمگادڑ کے انکار کر دینے سے آفتاب کی روشنی ماند نہیں پڑتی۔ نبوّت کے آفتاب نے ان لوگوں پر حجّت تمام کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر کھا کر گالیاں سُن کر، کانٹوں پر چل کر اپنا فرض ادا کیا۔ گلستانِ نبوت کھلتا رہا۔ مشرق و مغرب اس کی خوشبو سے معطر ہوتے رہے مگر مکّہ کے چند بد نصیبوں کو اس کی خوشبو کا کوئی حصّہ نہیں ملا۔ وہ ضد اور ہٹ دھرمی کے دلدل میں پھنستے چلے گئے۔"[2]

---

[1] "منہاج" جنوری ۱۹۸۳ء، اداریہ "جہات" ص ۱۱

[2] تفسیر یٰسین شریف ص ۱۸۴، ۱۸۵۔

۸ ۔ رجائیت پسندی مولانا ہاشمی کے دل میں نفاذِ اسلام کے لیے ایک تڑپ تھی جو انہیں بے چین و بے کل رکھتی تھی۔ حکومتی سطح پر اسلام کے نفاذ کی ہر کوشش کو انہوں نے سراہا اور اس کے لیے عملی تعاون پیش کیا۔ اس سلسلے میں ہاشمی صاحب علماءِ دین میں بھی اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے اور انھیں نفاذِ شریعت کے عمل میں شریک کرنا چاہتے تھے۔ اس بارے میں ان کے درد و اخلاص اور آرزومندی کا یہ حال تھا کہ جو حکمران بھی نفاذِ اسلام کی بات کرتا وہ اُس کے مؤیّد و مدّاح بن جاتے تھے۔ مرحوم ضیاء الحق، جونیجو اور نواز شریف تینوں حکمرانوں نے نفاذِ شریعت کا نعرہ لگایا تھا اس لیے مولانا ہاشمیؒ نے اس ضمن میں ان سب کے اقدامات کی تحسین فرمائی اور اپنے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا اور اس سلسلے میں اپنے قیمتی مشورے اور عملی تجاویز پیش کیں۔

ضیاء الحق مرحوم کے دور میں منہاج کے ایک اداریے میں لکھا:

"اس میں کچھ شک نہیں کہ حالیہ ریفرنڈم سے قبل جنرل صاحب کی حیثیت ملک کے منتخب نمائندے کی نہیں تھی۔ بلکہ وہ ایک فوجی انقلاب کے نتیجے میں برسرِ اقتدار آئے تھے، تاہم چونکہ سپریم کورٹ نے انہیں اختیارات تفویض کئے تھے اور وہ ایک خدا ترس، عاشقِ رسول، متقی، دیندار اور دین اسلام و پاکستان سے والہانہ محبت رکھنے والے انسان ہیں، اس لیے انہوں نے طوفانِ بلا میں گھری ہوئی ملک و قوم کی کشتی کو ساحلِ مراد سے آشنا کرنے کا عزم کیا اور اس سلسلے میں اقدامات شروع کیے۔

اگر موجودہ حکومت کے ساڑھے سات سال کے اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو دو چیزیں خاص طور پر نظر آئیں گی۔

۱۔ اسلامی نظام کو ملک میں جاری و ساری کرنے کی کوشش۔

۲۔ حب الوطنی کے جذبات کو فروغ دینے کے سلسلے میں مخلصانہ سعی۔

ان اقدامات کا نتیجہ کیا ہوا؟ آج ہر ذی ہوش آدمی اس کا (اگر اس کی آنکھوں پر ضد، ہٹ دھرمی، مفاد پرستی اور عناد کی پٹی نہیں بندھی ہوئی ہے) اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔ ان اقدامات کے نتیجے میں سب سے بڑی چیز جو حاصل ہوئی وہ یہ ہے کہ ملک کا قبلہ درست

ہوا۔ منزل متعین ہوئی، اور ہمارا قومی و ملی شعور بیدار ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ نفاذِ شریعت کا یہ عمل سُست ہے تاہم امید کی جا رہی ہے کہ انشاء اللہ العزیز مجلس شوریٰ کے انتخابات کے بعد رفتار تیز ہو جائے گی، بشرطیکہ ملک کے عوام اس کارِ خیر میں دل و جان سے تعاون کریں۔"[1]

اسی دورِ ضیاء میں ہونے والے دینی و اصلاحی اقدامات کی تحسین کرتے ہوئے رجائیت پسندانہ لہجے میں منہاج کے ایک اور اداریے (اپریل ۱۹۸۳ء) میں تحریر فرمایا کہ:

"اس حکومت نے:

- ۔ صحیح سمت سفر کا تعین کیا۔
- ۔ ملک میں اسلامی حدود نافذ کیں۔
- ۔ ایک بااختیار وفاقی شرعی عدالت قائم کی۔
- ۔ بلا سُود بینکاری کے نظام کا قیام عمل میں آیا۔
- ۔ ذرائع ابلاغ کی اصلاح کی۔
- ۔ قومی زبان اور قومی لباس پر اہلِ پاکستان کو فخر کرنا سکھایا۔
- ۔ ۱۹۷۹ء میں نفاذِ زکوٰۃ کا اعلان ہوا۔
- ۔ امسال اللہ کے فضل و کرم سے عشر کی وصولی و تقسیم کا بھی آغاز ہو رہا ہے۔

نظامِ زکوٰۃ کے قیام سے بفضلہ تعالیٰ ملک کے لاکھوں ناداروں، بیواؤں اور یتیموں کی مالی امداد کا انتظام ہوا ہے۔ اور اس کے نہایت دور رس نتائج مرتب ہو رہے ہیں۔"[2]

اسی طرح جونیجو حکومت کے بارے میں "منہاج" کے ایک اداریے (اپریل ۱۹۸۶ء) میں پُرامید طور پر تحریر کیا کہ:

"دسمبر ۱۹۸۵ء کے اواخر میں مارشل لاء اُٹھا لیا گیا اور ایک جمہوری حکومت جناب وزیرِ اعظم محمد خان جونیجو کی سرکردگی میں برسرِ اقتدار آئی۔ اس حکومت کا اندازہ خالص جمہوری

---

[1] اداریہ "منہاج"، جولائی ۱۹۸۴ء۔

[2] "منہاج"، اداریہ اپریل ۱۹۸۳ء۔

ہے یعنی حکومت کے مخالفین کو ہر قسم کی آزادی دی گئی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ موجودہ حکومت کچھ کر گزرنا چاہتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ موجودہ حکومت اپنے نیک مقاصد میں کامیاب ہو۔[1]

اور جب موجودہ نواز شریف دورِ حکومت میں شریعت بل پاس ہونے کا مرحلہ آیا تو اس سلسلے میں بھی رجائیت پسندانہ لہجے میں لکھا کہ:

"کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ شریعت بل مکمل ہے۔ اس میں خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی۔ مصلحتِ وقت کے مطابق ایک عرصے کے لیے سودی لین دین کو برقرار رکھا گیا ہے کیونکہ اس وقت پاکستان دنیا کے ملکوں سے کاروبار کر رہا ہے اور دنیا میں سودی بنیادوں پر کاروبار ہوتا ہے۔ جب تک متبادل نظام نہ ہو جائے، اس وقت تک اس لین دین کو بند کرنا ممکن نہیں۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ موجودہ حکومت نے اس امر کا فیصلہ کیا ہے کہ وہ علماء، ماہرین اقتصادیات اور منتخب نمائندوں پر مشتمل تیس دن کے اندر اندر ایک کمیشن قائم کرے گی جو اسلامی اصولوں کے مطابق متبادل اقتصادی نظام تشکیل دے گا۔ یہ اقدام اور بھی مفید اور مستحسن ہوتا اگر کسی مخصوص مدت کا تعین کر دیا جاتا۔ مگر چونکہ ہمیں عزت مآب وزیراعظم پاکستان جناب نواز شریف کی نیت پر بظاہر شک کرنے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی اس لیے امید کرنی چاہیے کہ انشاء اللہ مستقبل قریب میں اقتصادی نظام بھی اصلاح پذیر ہو جائے گا اور سود کی لعنت کا خاتمہ ہو جائے گا...."[2]

یہاں پر کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ وہ ہر حکومت کی خوشامد کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ مولانا ہاشمی ہر حکومت کے غلط اقدامات پر تنقید بھی کیا کرتے تھے اور صرف رجائیت پسندانہ مزاج کی وجہ سے اسلام کا نعرہ لگانے والی ہر حکومت کے اصلاحی اقدامات کی تحسین فرماتے تھے۔ موجودہ سرکاری ذرائع ابلاغ کے کردار پر ناقدانہ

---

[1] "منہاج" اداریہ اپریل ۱۹۸۶ء۔

[2] اداریہ "منہاج" نفاذِ شریعت نمبر جنوری اپریل ۱۹۹۱ء

تبصرہ کرتے ہوئے اپریل ۱۹۹۱ء کے منہاج کے اداریے میں لکھا کہ :

"حکومت پاکستان نے سی این این کو سنسر سے آزاد کرکے بہت غلط اقدام کیا ہے۔ پی ٹی این یا سی این این نہایت آزادانہ طور پر فحاشی و عریانی بلا روک ٹوک پھیلا رہے ہیں اور ان کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ یاد رکھئے جب تک ان سوراخوں کو بند نہیں کیا جائے گا جن کے راستے سے بدی داخل ہوتی ہے اس وقت تک روشنی کی کوئی کرن معاشرے میں داخل نہیں ہوسکتی۔ اور اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ سی این این اور پی ٹی این دیکھنے کے بعد پی ٹی وی عوام کو متاثر کرسکے گا تو وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ اس لیے جو سنسر بورڈ پی ٹی وی کے پروگراموں کو سنسر کرتا ہے اسی بورڈ کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ سی این این اور پی ٹی این کے پروگراموں کو بھی سنسر کرے اور جو معیار پی ٹی وی کے پروگراموں کا مقرر کیا گیا ہے وہ مذکورہ بالا دونوں پروگراموں کے لیے بھی باقی رکھا جائے، ورنہ ساری کوششیں اکارت چلی جائیں گی"[1]

اسی طرح ایک اور جگہ تنقیدی انداز میں حکومت کو دو عملی اور دو رنگی کی پالیسی ترک کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے لکھا کہ :

موجودہ دور میں رسل و رسائل اور ابلاغ عامہ کے جو ذرائع پیدا ہوگئے ہیں اگر ان سے دلجمعی کے ساتھ بغیر دو عملی و دو رنگی اختیار کئے ہوئے استفادہ کیا جائے تو برسوں کا کام دو چار مہینوں میں ہوسکتا ہے۔ البتہ اس کے لیے شرط یہی ہے کہ ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن بہ رضائے یار می باید داد
یا قطعِ نظر زیار می باید کرد

---

[1] منہاج، نفاذِ شریعت نمبر جنوری اپریل ۱۹۹۱ء اداریہ ص ۷

یعنی یہ کہ "نیمے دروں نیمے بروں" والی کیفیت سے قوم کو نکالنا ہوگا اور مملکت کے تمام کاروبار اور تمام شعبوں کو نظریۂ اسلام کا پابند بنا دینا ہوگا۔[1]

۹۔ عمدہ اور سلیس ترجمہ کرنے کی خوبی

مولانا ہاشمیؒ کو اللہ تعالیٰ نے ترجمہ کرنے کی عمدہ صلاحیت سے نوازا تھا۔ وہ عربی فارسی اور انگریزی عبارات کا سلیس اور رواں ترجمہ کر لیتے تھے۔ قرآن مجید کی آیات، احادیث نبویہ اور اشعار کا شگفتہ و دلکش ترجمہ بڑی روانی سے کرتے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کی آخری سورتوں کی تفسیر بڑی خوش اسلوبی سے فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر سورۂ یٰسین شریف میں بھی بڑا شستہ ترجمہ کیا ہے۔ مزید برآں انہوں نے درج ذیل کتب کے تراجم بھی فرمائے ہیں:

۱۔ سنن ابی داؤد (صحاح ستہ کی مشہور کتاب) کا اردو ترجمہ و تشریح چار جلدوں میں۔

۲۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ از قاضی عیاضؒ کا ترجمہ و حواشی۔

۳۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ (حنفی فقہ کی مشہور کتاب) کا عربی سے اردو ترجمہ و تشریح۔

۴۔ "سطعات" شاہ ولی اللہ کی کتاب کا ترجمہ و حاشیہ۔

الغرض مولانا ہاشمی مرحوم و مغفور اپنے طرز تحریر میں اُسی دبستانِ شبلی سے تعلق رکھتے ہیں جس کی نمائندگی سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، عبدالماجد دریابادی اور سید ابوالحسن علی ندوی نے کی ہے۔ یہ ایک جاندار علمی طرز تحریر ہے جو ہر قسم کے دینی موضوعات کے لیے مناسب اور موزوں ہے۔ اس طرز تحریر میں جامعیت بھی ہے قدرتِ بیان بھی، ادبیت بھی ہے اور عالمانہ شان بھی، استدلال کا پہلو بھی اور متانت و سنجیدگی بھی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں سوز و گداز بھی ہے اور اثر انگیزی بھی۔

---

[1] اسلام کا قانون شہادت، مقدمہ ص ۲۹، ۳۰۔